مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں۔ ان دنوں حضور ہر نماز باجماعت کی آخری رکعت میں رکوع سے کھڑے ہو کر اور کبھی ایک سجدہ میں بہت لمبی دعائیں فرماتے ہیں۔

حضرت ام المومنینؓ کی طبیعت بہت ناساز ہے۔ احباب کامل صحت کے لئے دعا فرمادیں۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول یکم اپریل سے چند دن کی تعطیلات کے بعد جو امتحان کے بعد ہوئی تھیں۔ کھل گیا ہے۔ داخل ہونے والے طلبار کو جلد سے جلد پہنچ جانا چاہیئے۔

یکم اپریل کو جناب حافظ روشن علی صاحب ساتویں پارہ تک درس قرآن کریم دے چکے ہیں۔ رات کو سب مساجد میں قرآن کریم سنایا جاتا ہے۔

شیخ محمد ابراہیم صاحب سوداگر چرم لاہور سے۔ شیخ عبدالحکیم صاحب دہلی سے۔ حاجی عبداللہ صاحب بغداد سے آئے۔

نظم

خطاب بہ امیر کابل

(از خاکسار عبدالرحمٰن خاکی از کوہ مری)

عمرِ خود ضائع مکن اندر نقارِ قادیاں — تا بکے دوری ازیں قربِ جوارِ قادیاں

انبساطِ دہر جوئی از عمل رنجہ مشو — از پئے وصلِ خدا شو داغدارِ قادیاں

سبزۂ بیگانہ رامِ الفتش خواہد نگرد — آہوئے وحشی! بیا در مرغزارِ قادیاں

سرخرو گردید از جاں باختن در راہِ دوست — نعمت اللہ خان مردِ جاں نثارِ قادیاں

آں یکے عبدالحلیم آں سرفروشِ کوئے دوست — واں دگر نورِ علی آں جاں سپارِ قادیاں

اے امان اللہ خاں از آہِ مظلوماں بترس — ہاں مجنباں غیرتِ پروردگارِ قادیاں

خونِ مسکیناں بریزی در دیارِ غیر آہ! — الحذر از داورِ دادار و یارِ قادیاں

حکمِ لا اکراہ میخواندی چو در قرآنِ پاک — تو نبے بودی حریفِ شہسوارِ قادیاں

وہ کجا آں بادشاہ جابر خنجر بکف،
وہ کجا آں عالمانِ دیو سیرت ۔ تند خو

الغیاث از دستِ جور و ظلم ای الغیاث
شیوۂ مردانگی نبود کہ از راہِ ستم

لالۂ نعمان شد تذرِ زمین سنگلاخ
آزما مارا برائے مصحفِ پاک و حدیث

چوں غلام دستگیر ولیکھرام و دیگراں
ازپئے کفارۂ بدعہدی خویش اے امیر

جنسِ محرومی مخر از یار بیگانہ مشو
توتیائے چشم معنی ساز و روشن دل بشو

قادیاں دار الاماں محفوظ ز آسیب زماں

یک نظر برحالِ ما اے حضرتِ فضلِ عمرؓ
مرکزِ دَورِ جہاں ۔ صاحبقراں ۔ جانِ جہاں

دیدۂ بینائے دیں ۔ محبوب رب العالمیں
دُور باشد از جہاں ایں ظلمتِ عصیان و جہل

خانہ زادِ لطفِ تو ایں خاکیٔ مسکین تو

وہ کجا ایں عاجز و مسکین و زارِ قادیاں
وہ کجا ایں باوقار و جاں نثارِ قادیاں

المدد اے ہادیٔ راہِ دیارِ قادیاں
بیکساں را مے کشی اے شرمسارِ قادیاں

بنگر ایں رنگِ وفا در لالہ زارِ قادیاں
یا زمیں فضل و کمالِ نامدارِ قادیاں

دست خود را بر مزن بر ذوالفقارِ قادیاں
زود شو پابندِ عہدِ استوارِ قادیاں

صدقِ صدیقاں طلب ۔ شو یارِ غارِ قادیاں
از سرِ اخلاص از خاک و غبارِ قادیاں

ہست بر فضلِ خدا دار و مدارِ قادیاں

اے حبیبِ ربِّ اکبر اے نگارِ قادیاں
نامدارِ قادیان و تاجدارِ قادیاں

اے منبعِ حق الیقین آں شہریارِ قادیاں
از ضیائے نیّرِ نصف النہارِ قادیاں

بُلبلِ رنگین نوا بر شاخسارِ قادیاں

ڈائری حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

(۲۳ر مارچ ۱۹۲۵ء بعد نماز عصر)

یورپین عورت سے شادی

ایک شخص نے پوچھا ۔ اگر یورپین عورت کے ساتھ شادی کی جائے تو کیا اس میں کوئی خرابی تو نہیں؟

حضور نے فرمایا ۔ عیسائی عورتوں سے اسلام میں شادی کرنا جائز ہے ۔ لیکن چونکہ آجکل یورپین لوگوں کی حکومت ہے ۔ اسلئے اگر یورپین عورت کے ساتھ شادی کی جائے ۔ اور وہ عورت بوجہ ایک حکمران قوم میں سے ہونے کے اپنے خاوند پر بھی اپنی حکومت رکھے ۔ تو اسکو میں ناپسند کرتا ہوں ۔

(۲۵ر مارچ ۱۹۲۵ء بعد نماز عصر)

ایک غیر احمدی کا ذکر

ایک شخص نے سوال کیا حضور ایک شخص پہلے احمدی کہلاتا تھا ۔ لیکن بعد اس نے ایک گدی نشین کی بیعت کرلی ۔ اور اس کی طرف سے خود بھی بیعت لیتا ہے ۔ اور غیر احمدیوں کے پیچھے نماز بھی پڑھ لیتا ہے ۔ اس نے مجھ سے پوچھا ہے میں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کی ہوئی ہے ۔ تم میرے مرنے پر میرا جنازہ پڑھو گے یا نہیں؟ اسکے بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے؟

حضور نے فرمایا ۔ وہ شخص جو خدا کے مامور کا انکار کرنیوالے کی بیعت کرتا ہے ۔ اور خود بھی اس کی طرف سے بیعت لیتا ہے وہ احمدی کس طرح رہ سکتا ہے ۔

قتل مرتد اور حضرت مسیح موعودؑ

رسالہ "الذکر الحکیم" جو عبدالحکیم پٹیالوی مرتد نے شائع کیا اس میں حضرت مسیح موعودؑ کے ایک خط کے وہ الفاظ پیش کئے گئے ۔ جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ مرتد کی سزا قتل ہے" ۔

حضور نے فرمایا ۔ مطلب صاف ہے ۔ یہاں یہ الفاظ ہیں ۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مرتد کی سزا قتل ہے" ۔ اور اسلئے میں صرف ایک یہی آیت قرآن کریم میں آتی ہے جس سے مُرتد کی سزا کا پتہ لگتا ہے ۔ کہ انما جزاؤا الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا آپ نے اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ اور اس سے یہ ہرگز نہیں پایا جاتا ۔ کہ ایسے مُرتد کو جو اپنے مذہب کو تبدیل کرتا ہے ۔ قتل کردو بلکہ یہ ان مُرتدین کے متعلق ہے ۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ لڑتے ہیں ۔ یعنی سیاسی مجرم ہیں ۔ اور اسمیں کیا شک ہے ۔ اسلام نے ایسے سیاسی مجرموں کے قتل کا حکم دیا ہے ۔ جو اس موقعہ پر جبکہ مسلمانوں کی کفار کے ساتھ جنگ ہو رہی ہو ۔ ایک شخص مُرتد ہو کر مسلمانوں کی طرف سے کفار کی طرف جا رہا ہو ۔ وہ اگر پکڑا جائے تو اسکو فوراً بغیر تحقیقات قتل کرنے کا حکم ہے ۔ کیونکہ اس کے جانے کا مقصد جنگی راز دشمن پر ظاہر کرنا ہوتا ہے ۔ اور ایسے مجرم کی سزا قتل ہر ایک مہذب حکومت میں اب بھی رائج ہے ۔

عرض کیا گیا ۔ کہ غیر مبایعین نے لکھا ہے ۔ یہ حضرت مسیح کا نہیں ہے ۔ فرمایا ۔ یہ تو فضول ہے ۔ حضرت صاحب نے خط لکھے ۔ اور عبدالحکیم کی طرف سے خط آئے ۔ اور وہ خطوط حضرت صاحب کے بستہ میں موجود تھے ۔ لیکن اب وہ خط کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے ہیں ۔

(۲۶ر مارچ ۱۹۲۵ء بعد نماز ظہر)

میجک لینٹرن کے لیکچر

مولوی نیر صاحب نے عرض کیا کہ وہ میجک لینٹرن کے ساتھ تصاویر دکھلاتے ہیں ۔ اس سے بعض لوگوں پر تو بہت اچھا اثر ہوتا ہے ۔ اور وہ پسند کرتے ہیں ۔ لیکن بعض گالیاں بھی دیتے ہیں کہ دیکھو تصویریں دکھلاتے پھرتے ہیں ۔

حضور نے فرمایا ۔ لیکچروں کے ساتھ اگر سنیما بھی ہو جائے تو بہت اچھا اثر ہو سکتا ہے

مرکز کی اہمیت

شیخ یعقوب علی صاحب نے عرض کیا ۔ اگر ہمارا ایک سالانہ جلسہ لاہور میں ہو جائے ۔ تو ہماری تعداد اور جماعت کے لوگوں کی کثرت وغیرہ سے تمام شہر پر بڑا اثر ہو ۔ آپ نے اسکے جواب میں فرمایا ۔ یوں تو وہاں جلسہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن جلسہ سالانہ جو مرکز کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ وہ وہاں ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ مرکز کبھی نہیں ہل سکتا ۔ اور نہ ہٹنا چاہیئے ۔

ولایت کے اخبارات اور واقعہ سنگساری

فرمایا ۔ جو خطوط ولایت سے آئے ہیں ۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی سنگساری کی نسبت بعد کی سنگساری پر ولایت کے اخبارات میں بہت زیادہ شور پڑا ہے اور انہوں نے پہلے کی نسبت اس دفعہ بہت زیادہ لکھا ہے ۔ چنانچہ مارننگ پوسٹ نے ۲ دفعہ ٹائمز آف لنڈن نے پانچ ۔ ڈیلی میل نے بھی پانچ دفعہ لکھا ۔ اور مانچسٹر گارڈین نے تو قریباً سات آٹھ دفعہ لکھا ہے ۔ اور متواتر دو دن تو اسکے لیڈنگ آرٹیکل اسی پر نکلے ہیں ایسا ہی ڈیلی ٹیلیگراف نے بھی چار پانچ دفعہ لکھا ہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دارالامان - ۱۴ اپریل ۱۹۲۵ء

امام جماعت احمدیہ کا سفر یورپ
فضول خرچی کا غلط اور جھوٹا الزام
کیا احمدی چندہ دیتے دیتے تھک گئے ہیں؟

اخبار "سیاست" ۲۹ مارچ میں کسی بے نام نے حسب ذیل سطور شائع کرائی ہیں:۔

"مجھے نہایت معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے گذشتہ سفر ولایت میں ہوٹلوں وغیرہ میں اسقدر روپیہ خرچ کیا ہے۔ کہ قادیانی پارٹی کے خزانے خالی ہو گئے ہیں۔ اب یہ حال ہے۔ کہ بعض ملازمین کو تین مہینے سے تنخواہ ہی نہیں ملی۔ اور کئی قرضخواہ تقاضا کر رہے ہیں۔ مگر ان کا قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ کم از کم ایک لاہوری بزرگ کے متعلق تو میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ روپیہ لینے کے لئے قادیان گئے مگر منت و سماجت سے انہیں ٹال دیا گیا۔ اب سوا لاکھ روپے کی اپیل کی گئی ہے۔ اور اسی کی کامیابی پر آئندہ بہبودی کا دار و مدار ہے۔ مگر آئے دن چندے دیتے دیتے قادیانی مرید بھی کچھ تھک سے گئے ہیں اور اپیل کا اثر تاحال حوصلہ افزا نہیں ہوا۔"

یہ اعلان کرانے والے صاحب اگر اخلاقی جرأت سے کام لیکر اپنا نام بھی ظاہر کر دیتے۔ تو ہمیں ان کے "معتبر ذرائع" کے متعلق اندازہ لگانے کا اچھا موقعہ مل جاتا۔ لیکن نہ تو انہوں نے اپنے "معتبر ذرائع" کی تشریح کی ہے۔ اور نہ اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ اسے پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور یہی بات ان کی تردید میں کافی ہے مگر جو باتیں انہوں نے بیان کی ہیں۔ ان کا مختصر جواب بھی ہم عرض کئے دیتے ہیں:۔

یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سفر یورپ کے دوران میں ہوٹلوں وغیرہ میں اس قدر روپیہ صرف کیا کہ جماعت احمدیہ کا خزانہ خالی ہو گیا۔ اس سفر میں جس کفایت شعاری سے خرچ کیا گیا۔ اس کی مثال شاید ہی کہیں مل سکے۔ سوائے کسی خاص مجبوری کے ہوٹلوں سے اس لئے کھانا نہ کھایا گیا کہ خرچ زیادہ نہ ہو۔ اور اپنا آدمی عام کھانا پکا کر سب کو کھلاتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بیمار ہونے کی حالت میں بھی گوارا نہ فرمایا کہ آپ کے کھانے میں کوئی تخصیص ہو۔ رہائش کے لئے سوائے ہوٹلوں کے چونکہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس لئے ہوٹلوں میں اختیار کی گئی لیکن کم سے کم خرچ پر نہایت تنگی اور تکلیف کے ساتھ۔

اس کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس تمام سفر میں جو کچھ بھی اپنی ذات پر صرف فرمایا۔ اس میں سے ایک حبہ بھی جماعت کے خزانہ سے نہیں لیا۔ بلکہ تمام کا تمام خرچ اپنا کیا۔ اس صورت میں یہ کہنا کس قدر ظلم ہے۔ کہ امام جماعت احمدیہ نے سفر ولایت میں ہوٹلوں وغیرہ میں اس قدر روپیہ خرچ کیا۔ کہ قادیانی پارٹی کا خزانہ خالی ہو گیا۔

بلاشبہ سفر یورپ میں جماعت احمدیہ کا بہت سا روپیہ صرف ہوا۔ اور اس کا اثر جماعت کے خزانہ پر بھی پڑا۔ اور پڑنا چاہیئے تھا۔ لیکن اس میں سے امام جماعت احمدیہ نے اپنی ذات کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ حالانکہ جماعت کی دلی خواہش تھی۔ اور متعدد درخواستیں بھی کی گئیں۔ کہ آپ اپنے اخراجات بھی جماعت سے منظور فرمائیں۔ کیونکہ آپ کا یہ سفر سلسلہ کے لئے تھا۔ نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ اور کئی ہزار روپے اپنے پاس سے صرف کئے۔

کہا گیا ہے کہ اس سفر کی وجہ سے احمدیہ خزانہ خالی ہو گیا ہے۔ مگر یہ لکھنے والے صاحب کو معلوم نہیں۔ اگر یہ سفر نہ بھی پیش آتا۔ تو بھی ہمارا خزانہ بھرا ہوا نہ ہوتا۔ کیونکہ ہمارا کام خزانہ بھرنا نہیں۔ بلکہ جو کچھ آئے۔ اسے خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب بھی ہمیں خدا تعالیٰ کے دین کے لئے کسی خاص خرچ کی ضرورت پیش آتی ہے تو ہم اپنے خزانہ کی طرف نہیں دیکھتے۔ بلکہ اپنے پیٹوں کی طرف دیکھتے ہیں کہ انہیں کاٹ کر کس قدر روپیہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کے لئے مہیا کر سکتے ہیں۔ پس جب ہماری یہ حالت ہے تو ہمیں خزانہ کے خالی ہونے کا کیا غم ہو سکتا ہے۔ اور یہ خزانہ بھرا ہی کب گیا کہ اب اس کا خالی ہونا ہمارے لئے وجہ ملال ہو۔

اب رہیں وہ تکالیف جو مالی تنگی کی وجہ سے ہمیں پیش آ رہی ہیں۔ یہ بھی کوئی نئی نہیں۔ ہمارے جیسی قلیل اور غریب جماعت جب خدا تعالیٰ کی راہ میں اس زمانہ کے مسلمان امیروں اور بادشاہوں سے بڑھ کر خرچ کریگی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اس کی مالی مشکلات اور تکالیف میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے۔ لیکن یہ تکالیف ہمارے حوصلہ اور ہمت کو توڑنے والی نہیں۔ بلکہ ان میں ہم وہی حلاوت اور سرور پاتے ہیں۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ابتدائے اسلام میں بھوکے اور پیاسے رہ کر اسلام کی خدمت کرنے میں پاتے تھے۔ اگر ہمارے کارکنوں کو تین تین ماہ کی تنخواہیں نہیں ملیں۔ تو کیا ہوا اگر ان کی زبان پر حرف شکایت آیا ہو یا غیر کے آگے انہوں نے دست سوال دراز کیا ہو۔ تو کوئی بات ہے۔ جب ہم اس حالت میں بھی اپنے آپ کو دنیا کے امیروں سے زیادہ امیر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی حالت میں مطمئن ہیں۔ تو کسی کو کیا؟ ہم اپنے نفع و نقصان کو خود اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں۔ کہ ہم جو کچھ بو رہے ہیں۔ اس کے پھل ہم اور ہماری نسلیں اس دنیا میں کھائینگی اور آخرت میں بھی۔ اور کثرت سے کھائینگی۔ وہ وقت آئیگا۔ اور انشاء اللہ ضرور آئیگا۔ جب دنیا کا جاہ و جلال ہمارے قدم چومیگا۔ دولت و ثروت ہماری غلام ہوگی۔ اور ہمیں کوئی یہ طعنہ نہ دے سکیگا۔ کہ ان کا خزانہ خالی ہو گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ جو لطف اور سرور ہمیں اس غربت اور افلاس کی حالت میں دین کی خدمت کرنے میں آ رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں تو دنیا کی شان و شوکت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ دنیا کی شوکت کے ساتھ اگر خدمت دین کی سعادت بھی حاصل ہو۔ تو نور علیٰ نور ہے لیکن کم لوگ ہوتے ہیں۔ جنہیں یہ سعادت نصیب ہوتی ہے اسی لئے جہاں بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو بڑی بڑی ترقیوں اور فتوحات کی خوشخبریاں دی ہیں۔ وہاں اس بات سے ڈرایا بھی ہے کہ وہ فتوحات خدا تعالیٰ سے دوری کا باعث نہ بن جائیں۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں بھی اور ہماری نسلوں کو بھی ان مکروہات سے بچائے۔ جو دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور ہم پر ایسا دن نہ چڑھے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دور ہو کر مرغوبات دنیا میں پھنس جائیں۔

نامہ نگار مذکور نے جس طرح اپنے آپ کو پردہ میں رکھا ہے اسی طرح اس "لاہوری بزرگ" کی بھی نقاب کشائی نہیں کی۔ جو بقول اس کے روپیہ لینے کے لئے قادیان گئے۔ اور انہیں منت و سماجت سے ٹال دیا گیا۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ اور جیسا کہ متعلقہ صیغہ نے بتایا ہے۔ کوئی ایسا "بزرگ" یہاں روپیہ لینے کے لئے نہیں آیا۔ اور نہ کسی کی اس بارے میں منت سماجت کی گئی ہے۔ اگر "سیاست" کا نامہ نگار اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو اس بزرگ کا نام شائع کرائے۔

اخیر میں لکھا ہے کہ "آئے دن چندے دیتے دیتے قادیانی مُرید بھی کچھ تھک سے گئے ہیں۔ اور اپیل کا اثر تاحال حوصلہ افزا نہیں ہوا۔"

اس کا جواب ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں دینا چاہتے۔ جس جوش و خروش کے ساتھ جماعت احمدیہ اپنے امام کی ایک لاکھ چندہ کی اپیل پر لبیک کہہ رہی ہے۔ اس کا پتہ ان خطوط سے لگ سکتا ہے۔ جن کے اقتباس الفضل میں شائع ہو رہے ہیں اور پھر چندہ کی اس رقم سے لگ سکتا ہے۔ جو نقد اور وعدہ کی صورت میں اس وقت تک فراہم ہو چکی ہے۔ لیکن باوجود اسکے ہم یہی کہینگے۔ کہ ان الفاظ کا جواب دینا ہماری جماعت کے تمام افراد کا فرض ہے۔ انہیں میعاد مقررہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ جمع کرکے بتا دینا چاہیئے۔ کہ وہ آئے دن چندے دیتے دیتے تھک نہیں گئے۔ بلکہ اور زیادہ چست ہو گئے ہیں اور ان پر اس اپیل کا ایسا اثر ہوا ہے۔ جس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔

نامہ نگار مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جماعت احمدیہ سے سوا لاکھ کی نہیں۔ بلکہ ایک لاکھ کی اپیل کی گئی ہے۔ جس کیلئے تین ماہ کا عرصہ مقرر ہوا ہے۔ جو ۱۵ اپریل کو ختم ہو گا۔ اس وقت تک اس غریب اور قلیل جماعت نے جو ہمیشہ سے اس کثرت کے ساتھ چندے دیتی چلی آ رہی ہے۔ کہ نامہ نگار کو ان چندوں کا خیال ہی کرکے تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے۔ ۲۲ ہزار نقد جمع کر دیا ہے۔ اور دن بدن خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس میں اضافہ کر رہی ہے۔ اور ہمیں یقین ہے۔ کہ جماعت احمدیہ میعاد مقررہ کے اندر اندر ایک لاکھ روپیہ جمع کرکے عملی طور پر مخالفین کے اس خیال کی تردید کر دیگی۔ کہ احمدی چندہ دیتے دیتے تھک گئے۔ نہیں بلکہ تازہ دم ہیں۔ اور اپنے امام کی چندہ کے متعلق اپیل تو کیا۔ اگر جان بھی مانگیں تو انہیں ذرا دریغ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔

سُنّی کانفرنس مُرادآباد اور جمعیۃ الاقوام

سنیوں کی ایک کمیٹی جس کا نام "آل انڈیا سنی کانفرنس" رکھا گیا۔ اور جو صرف پیر جماعت علی صاحب کے مُریدوں اور بریلویوں کی کمیٹی تھی۔ اس نے مراد آباد میں جلسہ کیا۔ جس میں والئے کابل کو احمدیوں کی سنگساری پر مبارکباد دینے کے علاوہ لیگ آف نیشن اور گورنمنٹ آف انڈیا سے یہ درخواست کی ہے۔

"چونکہ حکومت افغانستان کا اہلاک قادیانیاں مذہبی مسئلہ ہے۔ اسلئے اس میں کسی حکومت کی مخالفانہ آواز صریح مذہبی مداخلت ہوگی۔ جس کو مسلمان کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے"۔ لہٰذا لیگ آف نیشن اور گورنمنٹ ہند اس مسئلہ میں ہرگز دخل نہ دے۔" (زمیندار ۳۱ مارچ)

قبل اسکے کہ ہم اس بارے میں کچھ کہیں۔ یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جس لیگ سے نام نہاد "آل انڈیا سنی کانفرنس" نے کابل کے ظلم میں دخل نہ دینے کی درخواست کی ہے یہ وہی لیگ ہے۔ جسے جب ہم نے کابل کے جور و جفا کی طرف توجہ دلائی۔ تو "زمیندار" اور اسکے ہمخیال لوگوں نے ہمیں اسلامی بےغیرتی کا مرتکب قرار دیا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں۔ اگر بےبس اور بےکس مظلوموں کا لیگ آف نیشن کو ایسے ظلم و ستم کی اطلاع دینا جو سوائے کابل کے اور کسی حصہ دنیا میں نہ ہوتا ہو۔ اسلامی بےغیرتی ہے۔ تو ظالموں کا ظلم کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے اسی لیگ سے یہ درخواست کرنا کہ وہ ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائے۔ کہاں کی غیرت اور حمیت ہے۔

پھر اسی قسم کی درخواست گورنمنٹ آف انڈیا سے کرتے ہوئے بھی ان لوگوں کو شرم آنی چاہیئے تھی۔ جو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا شرعی طور پر ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور اس سے عدم تعاون کے فتوے شائع کر چکے ہیں۔ ممکن ہے۔ عدم تعاون کی اب یہ تشریح کر لی جائے۔ کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچانا چاہیئے۔ نہ یہ کہ خود بھی اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا جائے۔ یعنی خود جو کچھ اور جس طرح مل سکے۔ لے لو۔ مگر اسے کچھ نہ دو۔ اگرچہ عملی طور پر یہ تشریح بھی درست ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ گورنمنٹ کو جو کچھ لینا ہوتا ہے۔ وہ عدم تعاون کا فتویٰ دینے والے اور انکے پیرو کان دبا کر دیتے رہے ہیں۔ اور جو کچھ عدم تعاونی لینا چاہتے ہیں۔ اسکی خاطر وہ ہر قسم کی ذلت برداشت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ مگر سوال یہ ہے کہ غیرت اور شرافت کے رُو سے یہ کہاں تک جائز ہے کہ جسے کچھ دینا گناہ ہو لینے کے لئے اسکے آگے ناک رگڑا جائے۔

حیرت ہے۔ جن لوگوں کی غیرت اور حمیت کا یہ حال ہو۔ وہ انہیں جو اپنے عقائد اور اعمال کے خلاف کسی بڑی سے بڑی طاقت اور قوت کی پروا نہیں رکھتے۔ اور جن کے بھائی کابل میں سر کٹا کر مذہبی غیرت کا بے نظیر ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ مذہبی بےغیرتی کا طعنہ دیتے ہیں۔ ہمیں تو اس طعنہ زنی کی کوئی پروا نہیں۔ مگر طعنہ دینے والوں کو اتنا تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ جب قدم قدم پر وہ خود بےغیرتی کا ثبوت دے رہے ہیں تو کسی اور کو وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور باتوں کو جانے دو۔ کیا مسئلہ خلافت کے متعلق جناب گاندھی جی کی پیروی کرنا اور انہیں اپنا راہنما تسلیم کرنا مسلمانوں کی مذہبی بےغیرتی تھی یا نہیں۔ پھر کیا خلافت کمیٹیوں کے صدر اور سکرٹری اور ممبر ہندوؤں کو بنانا مسلمانوں کی مذہبی بےغیرتی تھی یا نہیں۔ پھر کیا خلافت کی تائید میں ہندوؤں سے اپنی مسجدوں اور سٹیجوں پر تقریریں کرانا مسلمانوں کی مذہبی بےغیرتی تھی یا نہیں۔ پھر ہندوؤں سے خلافت فنڈ میں رقوم لینا مسلمانوں کی مذہبی بےغیرتی تھی یا نہیں۔ غرض کون کونسی بےغیرتی گنائی جائے۔ تحریک خلافت کی ہر ایک حرکت اور ہر ایک فعل بےغیرتی اور بےحمیتی کا مجسمہ ہے۔ مگر [illegible] ہم پر اسلئے بےغیرتی کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ کہ ہم نے جمعیۃ الاقوام کو کابل کی سفاکی کی طرف کیوں توجہ دلائی۔ اور خود بھی اسی جمعیت سے درخواست کرکے اپنی مسلمہ بےغیرتی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

اب جو ریزولیوشن پاس کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق گزارش ہے۔ کہ اگر جمعیۃ الاقوام اور گورنمنٹ آف انڈیا اسلئے کابل کے ظالمانہ فعل کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتی۔ کہ یہ مذہبی معاملہ ہے۔ اور اسکے خلاف آواز اٹھانا مذہبی مداخلت ہے۔ تو کیا سنی کانفرنس گورنمنٹ آف انڈیا سے یہ بھی درخواست کریگی کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے درمیان جب ہندوؤں یا مسلمانوں کے مذہبی تہواروں پر فساد ہوں۔ تو اسوقت بھی گورنمنٹ دخل نہ دیا کرے۔ کیونکہ ہندو اور مسلمان انہیں مذہبی معاملہ سمجھتے ہیں اور انہیں دخل دینا مذہبی مداخلت ہے۔ اس اصل کے ماتحت گورنمنٹ کو شاہ آباد اور آرہ کے ان ہندوؤں کو سزا نہیں دینی چاہیئے تھی۔ جنہوں نے مسلمانوں کو گائے ذبح کرنے کی وجہ سے زندہ جلا دیا تھا۔ کیونکہ گائے کی حفاظت کرنا ان کا مذہبی مسئلہ تھا۔ اسی طرح اب کوہاٹ میں جو فساد ہوا ہے اس کی وجہ ایک ایسا ٹریکٹ بتائی جاتی ہے۔ جس میں اسلام کی توہین کی گئی تھی۔ سُنیوں کی اس کانفرنس کے نزدیک اس فساد کو روکنے اور ملزموں کو گرفتار کرنے کا بھی گورنمنٹ کو کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ یہ مذہبی مسئلہ تھا۔ لیکن آج تک بیسیوں ایسے مذہبی مسئلے رونما ہو چکے ہیں۔ جن میں گورنمنٹ نے دخل دیا۔ اور مجرموں کو سزائیں دی ہیں۔ اس وقت سُنیوں نے کبھی نہ کہا کہ یہ مذہبی دست اندازی ہے۔ گورنمنٹ کو بالکل الگ رہنا چاہیئے۔ اس مذہبی دست اندازی کو تو وہ بخوشی برداشت کرتے رہے۔ اور آئندہ بھی برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن کابل کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اسکے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کو وہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ مگر وہ گوارا کریں یا نہ کریں دنیا اس قسم کے سفاکانہ افعال پر اظہار نفرت و حقارت سے باز نہیں رہ سکتی۔ اور اگر حکومتیں ملکی مصالح کی وجہ سے بظاہر کوئی آواز نہ اٹھائیں تو اہل دنیا کی زبان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جو دنیا کے ہر گوشہ سے اٹھ رہی ہے ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ

فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ

مورخہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء

ہم نے شہیدان کابل کے متعلق کیا کیا

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں شہیدان کابل کے متعلق ذکر کرتے ہوئے یہ بیان کیا تھا۔ کہ دوسرے لوگوں نے ان مظلوموں کی مظلومیت پر کچھ کیا یا نہ کیا۔ سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ ہم نے کیا کیا۔ اور مرکز میں ان کے متعلق کیا کوشش کی گئی۔ اور سلسلے کی طرف سے اس واقعہ پر کیا کارروائی کی گئی۔ لیکن قبل اسکے کہ اسکے متعلق میں کچھ بیان کرتا۔ اس مضمون کی تمہید ہی اتنی لمبی ہو گئی۔ کہ وقت ختم ہو گیا۔ اور اصل بات بیان کرنے سے رہ گئی۔ آج میں اس حد تک کہ جس سے سلسلہ کے مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اور اپنے ان بھائیوں کے مفاد کو بھی کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ جن پر افغانستان میں ہر طرح ظلم کیا جا رہا ہے۔ اور وہ ہر طرح ستائے جا رہے ہیں۔ یعنی میں سلسلہ کے مفاد کو نیز اپنے ان مظلوم بھائیوں کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ جو کچھ بیان کر سکتا ہوں۔ اختصار کے طور پر بیان کرتا ہوں۔ اور بتاتا ہوں۔ کہ مرکز اس معاملہ میں کیا کر سکتا ہے۔ اور اس نے کیا کیا۔

صدائے احتجاج

یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر ایک چیز گو وہ بظاہر معمولی بھی نظر آتی ہو۔ لیکن ضرورت کے وقت اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہماری کوششوں اور سعیوں کے سلسلہ میں جو ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کی ہیں۔ سب سے پہلی چیز جس کو معمولی سمجھا گیا۔ اور جو عام لوگوں کی نظروں میں ناواقفیت کی وجہ سے بے فائدہ قرار دی گئی۔ وہ وہ صدائے احتجاج ہے۔ جو مرکزی جماعت قادیان اور دیگر بیرونی احمدی جماعتوں کی طرف سے بلند کی جا رہی ہے۔ اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے۔ کہ ہمارا اپنی جگہ اپنی جماعتوں میں صدائے احتجاج بلند کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ اور اس سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا ہماری اس کوشش کا افغانی گورنمنٹ پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ بے شک بظاہر ہمارا اپنی جگہ صدائے احتجاج بلند کرنا افغانی گورنمنٹ پر کوئی اثر نہیں رکھتا۔ اور نہ اس سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کو براہ راست کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن یہ یاد رہے۔ کہ نہ تو دنیا میں ہر ایک چیز بلا واسطہ اثر کرتی ہے۔ اور نہ ہی ہر ایک چیز بالواسطہ اپنا اثر ڈالتی ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ جو اپنے اثر کے لئے اپنے ساتھ کوئی ذرائع نہیں رکھتیں۔ بلکہ بلا واسطہ اثر کرتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو بلا واسطہ کوئی اثر نہیں کرتیں۔ بلکہ ان کا فائدہ تب ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کا استعمال تبھی مؤثر ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ بالواسطہ ہو۔ اب میں بتلاتا ہوں۔ کہ ان ذرائع میں سے سب سے مقدم ذریعہ صدائے احتجاج ہی ہے۔ جو جماعت احمدیہ کی طرف سے بلند کی گئی۔

صدائے احتجاج کے فائدے

اور اس کے تین فائدے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ براہ راست اس کا گورنمنٹ کابل پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ جس سے ہمارے مظلوم بھائیوں کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ ہماری یہ آواز ایک محدود آواز ہے۔ جس کا براہ راست کوئی بڑا اثر نہیں۔ لیکن جس طرح بعض لوگوں نے اس کو بالکل بے فائدہ سمجھا ہے۔ وہ ایسی بے فائدہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اندر فوائد ہیں۔ جو ظاہر ہوئے بھی ہیں۔ اور خدا کے فضل سے امید ہے۔ بہت بڑھ کر ظاہر ہونگے بھی۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ کسی زندہ قوم میں اس کی زندگی کی طاقت کو قائم رکھنے اور اس کے احساسات اور عمدہ جذبات کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ اس کی ذمہ واریوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بار بار اور متواتر اس کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں اس کے سامنے پیش کی جائیں۔ اس وقت سے کہ ہم نے مولوی نعمت اللہ صاحب کی شہادت پر جس قدر صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کا یہ اثر ہوا ہے۔ کہ نہ صرف ہماری جماعت کے لوگوں کے احساسات اور جذبات میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے۔ بلکہ بعض وہ لوگ جو ہمارے کیا اسلام کے بھی سخت دشمن ہیں۔ وہ بھی ہمارے اس صدائے احتجاج بلند کرنے سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور چونکہ بعض طبیعتیں اس قسم کی ہوتی ہیں۔ کہ ان کے احساسات اور جذبات سخت سے سخت واقعہ پر بھی جوش میں نہیں آتے۔ اور ایسے واقعہ سے جو ہوا اور گذر گیا۔ ایسی متاثر نہیں ہوتیں۔ کہ ان کے اندر کوئی خاص جوش اور احساس پیدا ہو۔ اس لئے اس قسم کی طبیعتوں کے اندر جوش پیدا کرنے اور ان کے احساسات کو ابھارنے کے لئے اس امر کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ ان کے سامنے متواتر اور بار بار اس واقعہ کو پیش کیا جائے۔ اور ان کا فرض اور انکی ذمہ داری ان کو یاد دلائی جائے۔ جب بار بار وہ واقعہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تو پھر ان کے اندر بھی ایک جوش اور احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی اس واقعہ سے متاثر ہونے لگ جاتی ہیں:۔

طبائع کس طرح متاثر ہوتی ہیں

مجھے اپنے بچپن کی ایک مثال یاد ہے اس وقت تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ اور میں بڑا تعجب کرتا تھا۔ اور بہت سوچتا تھا۔ مگر کچھ سمجھ نہیں آتی تھی۔ آخر خدا کے فضل سے وہ بات حل ہو گئی۔ اور میں سمجھ گیا۔ کہ اس کے اندر کیا حقیقت تھی۔ وہ واقعہ یہ ہے۔ کہ مجھے بچپن میں ہوائی بندوق کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ میں بندوق لے کر ایک گاؤں کی طرف گیا۔ جس کا نام شاید ناتھ پور ہے۔ ایک دو اور لڑکے بھی میرے ساتھ تھے جب میں وہاں پہونچا۔ چند نوجوان سکھ اس گاؤں کے ہمارے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ آؤ ہم تم کو شکار بتلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمیں گاؤں کے قریب لے گئے۔ اور خود انہوں نے ہمیں شکار بتایا۔ اور جگہ بجگہ ہمارے ساتھ پھرتے رہے۔ اور جس طرح ہم اس شکار میں لذت محسوس کر رہے تھے۔ اسی طرح وہ بھی لذت محسوس کر رہے تھے۔ اور جس طرح ہم شوق سے شکار کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ ہمارے ساتھ وہ بھی اسی طرح شوق کے ساتھ پھر رہے تھے۔ کہ ایک جگہ ایک درخت پر فاختہ نظر آئی۔ میں نے نشانہ لگا کر بندوق چلائی۔ اور وہ گر گئی۔ اس سے بھی جس طرح ہم نے لذت اور خوشی محسوس کی۔ اسی طرح انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ کہ اتنے میں گاؤں کی ایک بڑھیا وہاں سے گذری۔ اس نے جو فاختہ کو تڑپتے ہوئے دیکھا۔ تو دیکھتے ہی شور مچانا شروع کر دیا۔ اور ان نوجوان سکھوں سے کہا۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ تم ایسے بے غیرت ہو گئے ہو۔ کہ لوگ دوسرے گاؤں سے آکر تمہارے گاؤں میں جیو ہتیا کرتے ہیں۔ اور تم روکتے نہیں۔ میں نے دیکھا۔ وہ لڑکے باوجود اس کے کہ بڑے شوق سے ہمارے ساتھ شکار میں حصہ لے رہے تھے۔ اور ہماری طرح ہی شکار میں لذت حاصل کر رہے تھے۔ لیکن جونہی انہوں نے اس بڑھیا کی بات کو سنا ان کے چہرے بدل گئے۔ اور ہمیں کہنے لگے۔ کیوں جی کیوں تم یہاں شکار کرتے ہو۔ ہم نہیں کرنے دینگے۔ میرے لئے اس وقت ان کا یہ کہنا نہایت ہی حیرت انگیز تھا۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ ابھی تو یہ خود ہمیں بلا کر لائے ہیں۔ اور بڑے شوق کے ساتھ شکار کی تلاش میں ہمارے ساتھ پھرتے رہے ہیں۔ اور جس طرح ہم خوشی اور لذت محسوس کر رہے تھے۔ اسی طرح ان کو بھی ہمارے شکار کرنے میں خوشی اور لذت محسوس ہو رہی تھی۔ اور اب یکدم ہی یہ ایسے بدل گئے ہیں۔ کہ ان کی پہلی حالت کا پتہ ہی نہیں لگتا۔ بلکہ ان کے چہروں کا رنگ بھی بدل گیا ہے۔ وہاں سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اندر اس وقت حقیقی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ نہ کہ بناوٹ سے وہ ایسا کہنے لگے۔ یہ جوش پہلے ان کے اندر بالکل نہ تھا۔ کیونکہ ہماری طرح ہی وہ بھی شکار میں لذت

محسوس کر رہے تھے۔ لیکن عورت کے غیرت دلانے پر ان کے مردہ احساسات فوراً زندہ ہوگئے۔ میں نے دیکھا۔ جب انہوں نے اس بڑھیا کی آواز سنی۔ تو فوراً جوش میں بھر گئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ اپنا کوئی فرض اور ذمہ واری بھلائے بیٹھے تھے اور اس بات کے محتاج تھے۔ کہ کوئی ان کے سامنے ان کی ذمہ واری پیش کرے۔ جب عورت نے انہیں غیرت دلائی۔ تو وہ فرض انہیں یاد آگیا۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ ان کے عقیدہ کے لحاظ سے ان کی ذمہ واری تھی۔ کہ وہ ہمیں شکار سے روکتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ جیو ہتیا ہے۔ مگر اس کا پہلے ان کے دل پر کوئی اثر نہ تھا۔ لیکن جب بڑھیا نے ان کو اس فاختہ کے تڑپنے کا نظارہ پیش کرکے ان کی ذمہ داری یاد دلائی۔ تو پھر ان کے جوش کی کوئی حد نہ رہی ؎

کابل کے خلاف پروٹسٹ کا اثر

پس اگر دفعہ خواہ کتنا ہی کوئی اہم واقعہ ہو۔ براہ راست اس کا بعض طبیعتوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ لیکن بالواسطہ اس کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ کابل کے واقعات کے متعلق ہمارا پروٹسٹ اور ہماری طرف سے صدائے احتجاج بلند کرنا۔ براہ راست گورنمنٹ کابل پر اس کا کوئی اثر نہیں رکھتا لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ ان واقعات کو دہرانا اور ان کا بار بار تکرار کرنا علاوہ دیگر قوموں کو ان کے انسانی فرض یاد دلانے کی خصوصیت کے ساتھ احمدیوں کو ان کی ذمہ واری اور ان کا فرض یاد دلاتا ہے۔ اور اس سے ان کے اندر زندگی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ بہت سے دلوں میں جب احساسات خود بخود کسی واقعہ سے پیدا نہیں ہوتے۔ تو دوسرے لوگوں سے جن کے قلوب زندہ ہوتے ہیں۔ ان واقعات کو سن کر انکے اندر بھی زندگی کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر جس طرح زندہ دل لوگوں کے اندر اس واقعہ کا خاص جوش اور احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کے اندر بھی خاص جوش اور احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گو ہماری اس صدائے احتجاج کا براہ راست حکومت کابل پر کوئی اثر نہ ہو۔ لیکن بالواسطہ یقیناً اس کا بہت بڑا اثر ہوسکتا ہے ؎

اگر ہم پروٹسٹ نہ کرتے

ہم لوگ جن کے ساتھ یہ واقعات گذرے ہیں۔ اگر ہم بھی خاموش بیٹھ رہتے تو ہمارے گرد و پیش رہنے والی قوموں کے اندر بھی ان واقعات کا احساس پیدا نہ ہوتا۔ کیونکہ دوسروں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے۔ کہ جس قوم کے افراد کے ساتھ یہ واقعات گذرے ہیں۔ وہ جب حکومت کابل کے ان افعال پر کسی قسم کا اظہار نفرت نہیں کرتی۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے۔ کہ کچھ کہیں۔ اس لئے ہماری صدائے احتجاج بلند کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جن کے اندر دوسروں کی آواز سن کر جوش اور احساس پیدا ہوتا ہے۔ ان کے مردہ دلوں کے اندر بھی زندگی پیدا ہو رہی ہے۔ پس ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم واقعات کو بار بار دہرائیں۔ اور ان کو زندہ اور تازہ رکھیں۔ پھر قومی زندگی کے قیام کا بھی یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔

شیعوں کے تعزیئے

شیعوں کو ہی دیکھ لو۔ وہ ہر سال اس طرح روتے اور پیٹتے۔ اور طرح طرح کی حرکات کرتے ہیں۔ کہ جو بالکل مضحکہ خیز معلوم دیتی ہیں۔ ایک واقعہ جس پر تیرہ سو سال گذر گئے ہیں۔ مگر اتنے عرصہ بعد بھی بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور معزز لوگ ننگے پاؤں اور ننگے سر گھروں سے نکلتے۔ اور اس طرح روتے پیٹتے ہیں۔ جیسا کوئی ابھی تازہ واقعہ ہوا ہے۔ وہ کاغذوں کی قبر بناتے اور دلدل نکالتے ہیں۔ حالانکہ ممکن ہے۔ جسے اس گھوڑے کو دلدل قرار دیا گیا ہو۔ اس کے بعد تو رہی۔ مگر اس سے پہلے کئی اوباش آدمی بھی اس پر سوار ہوتے رہے ہوں۔ اس کو آگے آگے لئے ہوئے کالے رومال ہلاتے جاتے ہیں۔ اور آنسو بہاتے جاتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو آنسو بہانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ مومن نہیں کہلا سکتے۔ اور بعض چند پیسوں پر اور بعض پلاؤ کی ایک رکابی پر روتے پیٹتے اور زخموں سے خون بہاتے ہیں۔ مگر ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فی الواقعہ ان گذرے ہوئے واقعات کی یاد سے درد محسوس کرکے رو رہے ہوتے ہیں۔ بے شک یہ واقعات اس قسم کے ہیں۔ کہ اگر سنجیدہ پہلو سے ان پر غور کیا جائے۔ تو اس قسم کی حرکات کے مرتکب لوگ ایک مضحکہ نظر آئیں گے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ ان کی یہی حرکات ہیں۔ جن کی وجہ سے ہر سال سینکڑوں لوگ شیعہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی یہ حرکات ہی ہیں۔ جنہوں نے شیعیت کو قائم رکھا ہوا ہے۔ اگر چند سال بھی وہ ان حرکات کو ترک کردیں تو شیعہ مذہب کا نام و نشان نہ رہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اور کوئی بات ان میں ایسی نہیں پائی جاتی۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کو قائم رکھ سکیں۔ اس لئے ان کو لوگوں کی ہنسی اور مضحکہ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی قومی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے حضرت امام حسین کے واقعات کو تازہ اور زندہ رکھتے ہیں۔ تو واقعات کا تکرار ایسی چیز ہے۔ جس سے مردہ احساسات زندہ ہو جاتے ہیں اور قوم میں زندگی کی روح قائم رہتی ہے ؎

اظہار ہمدردی

دوسرا فائدہ ہماری صدائے احتجاج بلند کرنے کا یہ بھی ہے۔ کہ گو ان لوگوں پر جو ہمارے بھائیوں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں اس کا کوئی اثر نہ ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان خبروں کے پہنچنے پر ہمارے ان مظلوم بھائیوں کے دل ضرور بڑھ جاتے ہونگے۔ اور وہ اس بات سے ضرور خوشی حاصل کرتے ہونگے۔ کہ ان کے دوسرے بھائیوں کو ان کی فکر ہے۔ اور وہ ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ گو وہ اپنی مجبوری سے کچھ کر نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی حکومت نہیں طاقت نہیں۔ مگر ان کے دل میں ہماری ہمدردی ہے۔ اور ہمارے دکھ کو وہ محسوس کرتے ہیں۔ اس سے بھی ایک مصیبت زدہ انسان کا حوصلہ بہت کچھ بڑھ جاتا ہے۔ ہزارہا واقعات ایسے ہیں کہ جن کو دین کے لئے یا عزت کے لئے یا ملک اور قوم کے لئے قربانیوں کے موقع پیش آئے ہیں۔ انکی ہمتیں محض اس وجہ سے دو چند ہوگئیں۔ کہ ان کی مصیبت میں ان کے رشتہ داروں یا ان کی قوم یا ملک کو ان سے ہمدردی تھی ؎

ایک مسلمان ماں کی بہادری

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تھوڑے ہی زمانہ کا ایک واقعہ ہے۔ کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو ایک جنگ کے موقعہ پر رخصت کرتے وقت کہا۔ دیکھو تم چھوٹے تھے۔ جب تمہارا باپ فوت ہوگیا۔ میں نے اپنی عصمت کی حفاظت کرکے تمہاری پرورش کی۔ اور تمہارے خاندان کی عزت کو قائم رکھا۔ جو کام تمہارے باپ کا تھا۔ اس کے بعد وہ میں نے کیا۔ تم کو پالا پوسا اور تمہاری پرورش کی۔ اگر تم بغیر فتح حاصل کئے میرے پاس واپس آگئے۔ تو یاد رکھو۔ جو حقوق میرے تم پر ہیں۔ وہ ہرگز معاف نہ کرونگی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بہادر ماں باپ کے بیٹے بہادر ہوتے ہیں۔ اور اپنے ماں باپ کی جرأت اور بہادری ان کو ضرور ورثے میں ملتی ہے۔ اور نہیں تو کم از کم بہادر ماں باپ کی تربیت کے ذریعے ان میں بہادری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس بچہ نے ایسی بہادر ماں کی آغوش میں پرورش پائی ہوگی۔ وہ ضرور بہادر ہوگا۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ کہ اس بہادر ماں کے ان کلمات نے اس کی بہادری کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہوگا ؎

احمدیان کابل کی حوصلہ افزائی

پس اس طرح گو کابل کے احمدی پہلے ہی بہادر ہیں۔ لیکن آپ لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہماری صدا کو سن کر انکے دل کتنے بہادر ہوگئے ہونگے۔ بے شک وہ پہلے ہی نہایت دلیر ہیں۔ اور اپنی قربانیوں کے ساتھ اپنے ایمان اور اخلاص کا وہ ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ جو بے نظیر ہے۔ اور جو امتحان بھی ان پر آیا۔ اس میں وہ پورے اترے ہیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ کہ ہماری ہمدردی اور ہماری بے قراری اور ہمارا جوش اور ہمارا صدائے احتجاج بلند کرنا ان کے جوش اور ان کے اخلاص انکے

اُن کو ترقی نہ دے۔ اور زیادہ سے زیادہ ان کے حوصلوں کو نہ بڑھائے۔ پس ہماری اس اظہار ہمدردی اور صدائے احتجاج سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کو بھی یہ ایک بہت بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور آئندہ جو فائدہ اس کا ظاہر ہوگا۔ وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ پس یہ دوسرا فائدہ ہے۔ جو ہمیں صدائے احتجاج کے بلند کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اہل دنیا کی آواز کا اثر

تیسرا فائدہ اس کا یہ ہے۔ کہ گو ہماری آواز براہ راست کابل پر کوئی اثر نہ کرے۔ لیکن ہمارے ساتھ دوسری قوموں کی آواز جو ہمارے اردگرد رہتی ہیں۔ یا دنیا کے مختلف مہذب ملکوں میں رہنے والی ہیں۔ ان کی آواز اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ ہماری جماعت کے متعلق تو حکومت کابل یہ خیال کرکے کہ یہ کمزور لوگ ہیں۔ اس مصیبت پر خاموش ہو کر بیٹھ جائینگے ایک خیالی خوشی حاصل کر سکتی تھی۔ اور واقعہ میں اگر کسی مصیبت زدہ کی اپنی قوم یا اپنے رشتہ دار اس کی مصیبت پر کسی دکھ و درد۔ رنج اور افسوس کا اظہار نہیں کرتے۔ تو غیروں سے کیا امید کیجا سکتی ہے۔ کہ وہ افسوس کا اظہار کرینگے۔ اسی طرح اگر ان واقعات پر ہم خوش بیٹھے رہیں۔ تو دوسری اقوام کو کیا ضرورت ہے۔ کہ خواہ مخواہ افسوس کا اظہار کریں۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گو محض ہماری آواز کابل پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ لیکن ہمارے ساتھ غیر احمدیوں، سکھوں۔ عیسائیوں اور یورپ و امریکہ کی قوموں کا بھی اس وحشیانہ فعل پر اظہار نفرت و ملامت کرنا حکومت کابل کو مطمئن نہیں رہنے دے سکیگا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ خیال کریں۔ کہ صرف احمدیوں کی محدود تعداد ہی اس کے فعل سے نفرت نہیں رکھتی۔ بلکہ دنیا کی تمام مہذب اقوام بلکہ جو اس کے دوست اور ہم مذہب ہیں۔ وہ بھی ان کے ان افعال کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں اسے اپنی عزت کا ضرور خیال آئے گا۔ اور حکومت کابل کے ارکان سمجھینگے کہ اس طرح تو ہم تمام دنیا اور دوست دشمن میں بدنام ہو رہے ہیں

عزت کے خیال سے گناہوں سے بچنا

اور یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ عزت کا خیال بھی بہت سے گناہوں سے انسان کو بچا لیتا ہے۔ ڈاکوؤں کی فطرت گو کتنی ہی بگڑ چکی ہوتی ہے۔ لیکن شائد ہی فی صدی کوئی ایک ایسا نکلے۔ جو یہ نہ چاہتا ہو۔ کہ اس کا یہ جرم مخفی نہ رہے۔ سارے کے سارے یہی چاہینگے۔ کہ ان کے جرم پر پردہ پڑا رہے۔ اور وہ ظاہر نہ ہو۔ بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ ڈاکو یہ معلوم کرکے کہ ان کی کارروائی مخفی نہ رہ سکے گی۔ وہ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہے۔ اور سو چوریوں میں سے نوے فی صدی ایسی ہونگی جو ان کے ظاہر ہو جانے کے اندیشے سے نہیں کی گئیں۔ پس جب اظہار جرم ایک ایسی زبردست طاقت ہے۔ کہ اس سے نوے فی صدی فساد کے مواقع کو روکا جا سکتا ہے۔ اور یہ نوے فی صدی بھی میں نے کم کہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کا اثر ہے۔ تو پھر ایسی زبردست طاقت سے ہم کیوں فائدہ نہ اٹھائیں۔ جس سے فائدہ اٹھانے کا طریق یہی ہے۔ کہ ہم بڑے زور کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کریں۔ پس اس سے ہمیں تین فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جماعت کے ان لوگوں کے دلوں میں زندگی کی تازہ روح پیدا ہو سکتی ہے۔ جو سست پڑے ہوئے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس سے ہمارے ان مظلوم بھائیوں کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے۔ جن پر حکومت کابل جور و جفا کر رہی ہے۔ اور وہ بڑی بہادری سے اپنے ایمان اور اخلاص کا عملی ثبوت دے رہے ہیں۔ وہ یہ معلوم کرکے کہ ہم ان کی ہمدردی میں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کے دکھ کا ہم کو پورا پورا احساس ہے اس طرح ان کے حوصلے ان کے جوش اور اخلاص میں زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ اس سے دوسری قوموں پر بھی خواہ وہ ہمارے اردگرد رہتی ہوں۔ یا دیگر متفرق ممالک میں ان پر۔ بلکہ اس قوم کے افراد پر بھی کہ جو ہمارے سخت دشمن اور مخالف ہیں۔ اس کا اثر پڑتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ حکومت کابل کو اپنی موجودہ روش بدلنی پڑے گی ؛

دوسری حکومتوں سے امداد حاصل کرنا

میں پہلے بتا چکا ہوں۔ کہ ہماری اپنی کوئی طاقت اور حکومت نہیں جس سے ہم براہ راست اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کر سکیں۔ کیونکہ کسی ظالم حکومت کو اس کے ظلم سے کوئی دوسری حکومت ہی براہ راست روک سکتی ہے۔ اس لئے یہ تو ہماری طاقت سے باہر ہے۔ اب دوسری صورت یہ ہے۔ کہ ہم ان لوگوں کی تائید اور مدد حاصل کریں۔ جنہیں طاقت حاصل ہے۔ کیونکہ کمزور کا جب اپنا کوئی بس نہیں چلتا۔ تو وہ کسی دوسرے زبردست کی مدد اور ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس دوسری صورت یہ ہے۔ کہ ہم ان حکومتوں اور طاقتوں سے مدد لیں۔ جن کو افغان گورنمنٹ ناراض کرنا نہیں چاہتی۔ یا افغان گورنمنٹ میں انہیں ناراض کرنے کی طاقت نہیں۔ مگر اس مدد کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کابل کے خلاف چڑھائی کرائی جائے۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ ان سے ہم یہ کہلوائیں۔ کہ حکومت کابل کا یہ فعل اچھا نہیں۔ اور یہ کام ان کی نگاہ میں بھی اسی طرح نفرت دلانے والا ہے جس طرح کہ ہماری نگاہ میں ہے۔

مختلف حکومتیں اور کابل

اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے دنیا کی مختلف گورنمنٹوں کو کابل کی اس وحشیانہ اور غیر شریفانہ حرکت کی طرف توجہ دلائی اور وہ توجہ کر رہی ہیں۔ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کے واقعہ کے متعلق تو وہ یہ بھی خیال کر سکتی تھیں۔ کہ ممکن ہے۔ یہ واقعہ کسی سیاسی مجبوری کی وجہ سے گورنمنٹ کابل نے کیا ہو۔ اور شائد اس ایک واقعہ کے بعد پھر کوئی ایسا واقعہ نہ ہو۔ لیکن اس کے بعد جب معاً دوسرا واقعہ بھی ہو گیا۔ تو ان کو اس طرف بہت زیادہ توجہ پیدا ہو گئی ہے۔ بعض گورنمنٹوں نے یقین دلایا ہے۔ کہ وہ اس معاملہ میں پوری توجہ سے کام لیں گی۔ اور سارے یورپ کو اس طرف توجہ دلائیں گی۔ چنانچہ بعض نے تو یقینی طور پر اس کے متعلق کارروائی شروع بھی کر دی ہے۔ اور بعض کے متعلق یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن معتبر ذرائع سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے بھی اس کے متعلق اپنی کارروائی شروع کر دی ہے۔ اور ان کا اس طرف متوجہ ہونا ایسا نہیں۔ کہ حکومت کابل پر کوئی اثر نہ کرے۔ ہماری طرف سے وہ اپیل جو لیگ آف نیشنز یعنی مجلس بین الاقوام میں کی گئی۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا۔ کہ جب وہ کاغذات مجلس کے میز پر رکھے گئے۔ تو انگریزوں کے علاوہ دوسری حکومتوں کے نمائندوں نے بھی ان کاغذات کو پڑھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ انہوں نے اس معاملہ میں مناسب کارروائی کرنے کے لئے اپنا قدم اٹھایا ہے۔ مگر یہ کام ایک دن کا نہیں کہ جھٹ پٹ اس کے نتائج نکل آئیں۔ اور نہ یہ صرف تاروں کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے تاروں پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ وفد کے طور پر بھی ہمارے آدمی ان حکومتوں کے ذمہ دار لوگوں سے ملے۔ اور ان سے ملاقاتیں کی ہیں۔ اور وہ ذمہ دار لوگ جن سے ہمارے وفد ملے ہیں۔ یورپ اور انگلستان کے بڑے بڑے رئیس اور وزراء ہیں۔ ان سے براہ راست زبانی تمام حالات اور معاملات واضح طور پر بیان کئے ہیں۔ اور انہوں نے ہم سے وعدے کئے ہیں۔ کہ وہ کابل کی ان حرکات پر خاموشی اختیار نہیں کرینگے۔ لیکن گورنمنٹیں چونکہ سیاسی معاملات کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے جہاں انہوں نے ہم سے وعدے کئے ہیں۔ وہاں انہوں نے بھی ہم سے یہ وعدے لئے ہیں۔ کہ ہماری گفتگو کو قطعاً کسی پر ظاہر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ان دنوں خود ان حکومتوں کو بہت سی سیاسی مجبوریاں اور مشکلات کا سامنا ہے۔ ایسی حالت میں ان کی ان کوششوں کو ظاہر کرنا بجائے اس کے کہ ان کو ہم سے ہمدردی پیدا ہو۔ اور وہ ہمارے لئے کوئی مفید کام کریں۔ وہ ہم سے بدظن ہو جائیں گے۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے۔ کہ ہماری خاطر وہ اپنے ملک کے فوائد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور ان کے خیالات کے اظہار سے ان کے اپنے ملکی فوائد کو نقصان کا سخت خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں پھر ان کو

ہم سے کس طرح ہمدردی رہ سکتی ہے۔ اور ایسی حالت میں تو ان کے اپنے تین چار آدمی بھی اگر کسی حکومت میں قتل کر دیئے جائیں۔ اور ان کی تائید میں ان کا تمام ملک برباد ہوتا ہو۔ تو وہ ملک کی خاطر اپنے آدمیوں کے مارے جانے کی بھی کوئی پرواہ نہ کرینگے۔ پس ان کی کوششوں کو ظاہر کرنا نہ صرف یہ کہ ان کے ملکی فوائد میں خطرہ پیدا کرنا ہے۔ بلکہ ہمارا بھی اس میں سخت نقصان ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ہم ان کی مدد اور ہمدردی حاصل نہیں کر سکتے ؛

اس وقت دنیا کی سیاسی حالت یہ ہے۔ کہ دو قسم کی حکومتیں قائم ہیں۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں۔ جو پرانا طریق اور پرانا نظام حکومت پسند کرتے ہیں۔ اور وہ اس کے حامی ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں۔ جو پرانے طریق حکومت اور نظام کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اس کے سخت مخالف ہیں۔ جیسا کہ روس میں بولشویک تحریک ہے ؛

بولشویکی تحریک

ان کے نزدیک جائداد پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ تمام زمین حکومت کی ہے۔ اور تمام تجارت کی مالک حکومت ہے۔ مذہب کا کسی قسم کا دخل وہ حکومت میں جائز نہیں سمجھتے۔ تمام بچے حکومت کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔ جس کو چاہیں وہ ڈاکٹر بنائیں۔ اور جس کو چاہیں مزدور بنائیں۔ اور جس کو جس ملک میں چاہیں رکھیں۔ اسی طرح کسی زمیندار کا یہ اختیار نہیں۔ کہ وہ اپنی زمین میں جب کہ اس کی زمین عمدہ گیہوں نہیں پیدا کر سکتی۔ وہ گیہوں بوئے۔ بلکہ گورنمنٹ جو کچھ بونے کے لئے کہے گی۔ وہی بو سکے گا۔ اور پھر جو پیداوار ہو۔ اس کا مالک زمیندار نہیں ہوگا۔ بلکہ اسے حکومت کے سپرد کرنی پڑے گی۔ پھر حکومت اس کو تمام ملک میں تقسیم کرے گی۔ سوائے اس کے کہ زمیندار کو اس کی ضرورت کے مطابق پیداوار میں سے رکھنے کی اجازت ہو۔ باقی پر اس کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا۔ یہ نیا دور حکومت روس میں جاری ہوا لیکن دنیا کی دوسری حکومتیں اس تحریک سے خطرہ محسوس کرتی ہیں۔ اس لئے وہ ایسی تدابیر اور کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ کہ ان کا ملک بولشویک خیالات سے محفوظ رہے ؛

افغانستان اور انگریز

چونکہ افغانستان روس اور انگریزوں کے ملک کے درمیان واقعہ ہے۔ اس لئے وہ بھی کھلم کھلا کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کر سکتے جس سے گورنمنٹ کابل اور ان کے درمیان کشیدگی پیدا ہو کیونکہ ان کو خطرہ ہے۔ کہ پھر افغان روس سے مل جائیں گے اسی طرح فرانس اور اٹلی کو بھی یہ خطرہ ہے۔ آج سے دس برس پہلے نہ فرانس پر کابل کا کوئی اثر تھا نہ اٹلی پر۔ یہ ایک معمولی ریاست سمجھی جاتی تھی۔ لیکن موجودہ حالات کے ماتحت ان کی نگاہ میں افغانستان کا ان کے ممالک کے نفع و نقصان سے بہت کچھ تعلق ہے۔ اس کی وجہ سے سب کی نگاہ میں اس وقت وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اگر افغانستان سے ان کا مقابلہ تلوار اور بندوق سے ہوتا۔ تو ان کو کچھ فکر نہ ہوتی۔ لیکن ان کو مشکل یہ ہے۔ کہ یہ جنگ تلوار اور بارود سے نہیں۔ بلکہ خیالات کی جنگ ہے۔ اگر افغانستان روس سے مل جائے۔ تو بولشویک خیالات ان کے ممالک میں اثر کر کے پھر ہندوستان میں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ اس لئے ان مجبوریوں کی بنا پر وہ افغانستان سے صلح رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ شامل نہ ہو جاوے۔ پس جس طرح اس وقت انگریزوں کو افغانستان کے روس کے ساتھ مل جانے سے اپنے ملک کا خطرہ ہے۔ اسی طرح اٹلی اور فرانس کو بھی اس کا اندیشہ ہے کیونکہ ان خیالات کی اشاعت میں ان کے ملک کی بھی تباہی اور بربادی ہے۔ اس لئے سب حکومتیں اس مسئلہ میں احتیاط سے قدم رکھتی ہیں ؛

امیر کابل کو توجہ دلانا

تیسری صورت اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کی یہ ہے۔ کہ ہم خود امیر صاحب کابل کو بھی اور ان کی ہمسایہ رعایا کو بھی اس طرف توجہ دلائیں۔ اس کے متعلق بھی ہماری طرف سے کوشش جاری ہے۔ اس کے متعلق میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں ؛

کابل میں تبلیغ

چوتھی بات یہ ہے۔ کہ جن خیالات کی بناء پر اس ملک میں ہمارے مظلوم بھائیوں پر یہ مصیبت آئی ہے۔ ان خیالات کا مقابلہ کیا جائے۔ یعنی ان خیالات کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکا جائے۔ تا اس ملک میں اتنے احمدی ہو جائیں۔ کہ ان کو مارنا گویا ملک کو تباہ کر دینے کے برابر ہو۔ ان کی اتنی کثرت ہو جائے۔ کہ اگر کسی جگہ ان پر ظلم ہو۔ تو دوسرے ان کی ہمدردی کرنے کے لئے کھڑے ہو سکیں اور ظالموں کو آپس کی لڑائی کے خوف سے یہ موقعہ نہ ملے۔ کہ وہ احمدیوں پر ظلم کر سکیں۔ اس کی بھی تجویز کی گئی ہے۔

مظلوموں کی امداد

پانچویں بات یہ ہے۔ کہ ہم ان لوگوں کی مدد کریں۔ جن کو ان مظالم کی وجہ سے نقصان پہنچا ہے۔ خواہ وہ ان شہیدوں کے رشتہ دار ہوں خواہ دوسرے۔ یہ بھی بہت نازک سکیم ہے۔ کیونکہ اگر ذرا بھی مدد کا پتہ لگ گیا۔ یا وہ احمدی جن کی ہم مدد کریں ظاہر ہو جائیں۔ تو خطرہ ہے۔ کہ نہ صرف ہم ان کی مدد ہی نہ کر سکیں گے بلکہ ان کی جانیں بھی خطرہ میں ڈال دینگے۔ اس لئے ہمیں ایسی تدابیر اختیار کرنی ہونگی۔ کہ جو مدد ہم ان کی کریں۔ وہ خطرات کا باعث نہ ہو۔ مولوی نعمت اللہ خانصاحب کے والد کی تو کچھ مدد کی بھی گئی ہے۔ اور بقیہ شہیدوں کے رشتہ داروں کی مدد کی بھی تجویز ہے۔ جو کہ کسی مخفی طریق سے ہی کی جا سکتی ہے۔

شہداء کی نعشیں حاصل کرنے کی کوشش

چھٹی صورت اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کی یہ ہے۔ کہ ان شہداء کی نعشیں حاصل کر کے یہاں یا وہاں ان کو باقاعدہ دفن کیا جائے۔ یہ بھی ہمدردی کا ایک طریق ہے اور اس کے متعلق ابھی حکومت کابل سے ہماری خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اگر انہوں نے ان شہیدوں کے وہاں یا یہاں دفن کرنے کی اجازت دیدی۔ تو ہم ان کے ممنون ہونگے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہمیں کوئی اور صورت اختیار کرنی پڑے گی۔ جس سے ہم اپنے شہداء کی نعشیں حاصل کر کے دفن کر سکیں۔ لیکن ابھی کسی ایسی تجویز پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابھی ہماری اور ان کی باقاعدہ خط و کتابت ہو رہی ہے۔ اگر انہوں نے اس بات کو منظور نہ کیا۔ تو کسی اور تجویز پر بعد میں عمل کرنے کی تیاری کی جاویگی۔

پس اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد میں جو کچھ ہم سے ہو سکتا تھا۔ وہ ہم نے کیا۔ اور موجودہ حالات کے ماتحت جو ہم کر سکتے ہیں۔ وہ کیا جا رہا ہے۔ مگر اس وقت جماعت جو سب سے بڑی ہمدردی اپنے مظلوم بھائیوں سے کر سکتی ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ وہ بندگان خدا جنہیں وہاں دکھ دیا جاتا ہے۔ اور ظالموں کے ظلم ہر وقت ان کو پامال کر رہے ہیں۔ انہیں ہر وقت دعاؤں میں یاد رکھے۔ اور اگر کوئی وقت ایسا آئے۔ جب جماعت کے ان افراد کو جن کو مناسب سمجھ کر کسی خدمت کے لئے منتخب کیا جائے۔ تو وہ اس کے لئے تیار رہیں۔ جماعت کے اخلاص اور ایثار کے متعلق مجھے یقین ہے۔ کہ وہ ہر طرح کی قربانی کیلئے تیار رہیں گے۔ اور کسی طرح بھی اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے قربانیوں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ اسی حد تک میں اس مضمون کو علی الاعلان بیان کر سکتا تھا۔ جس کے بیان کرنے سے اصل غرض کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالے تمام احباب کو اس امر کی توفیق عطا فرماوے۔ کہ جو جو بھی خدمت ان کے لائق ہو۔ اس کے لئے وہ تیار رہیں ؛

سائنس کیلئے ایک استاد کی ضرورت

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں سائنس کے لئے ایک سینئر استاد کی ضرورت ہے۔ کم از کم بی۔ ایس سی ہو۔ کمسٹری فزکس کا کورس لیا ہوا ہو۔ دارالامان کی سکونت سے فائدہ اٹھانے والے احباب اور اپنی جماعت کی خدمت کرنے والے دوستوں کے لئے یہ موقعہ نہایت غنیمت ہے۔ درخواستیں ہیڈ ماسٹر صاحب کی معرفت سے جلد آنی چاہئیں

(زین العابدین ولی اللہ۔ ناظر تعلیم و تربیت قادیان)